فیض کی نظم نگاری: دستِ صبا اور زنداں نامہ کے حوالے سے

Faiz Ahmad Faiz's Verses with the Reference of "Dast-e-Saba" and "Zindan Nama"

Syeda Tayyba Rubab

Assistant Professor, Department Urdu Graduate college for women, Karkhana Bazar,
Faisalabad

Dr. Parveen Akhtar Kullu

Associate Professor, Department Urdu Govt college University, Faisalabad

Dr. Saima Iqbal

Assistant Professor, Department Urdu Govt college University, Faisalabad

Received on: 03-07-2023

Accepted on: 05-08-2023

Abstract

The poetry of Faiz is a combination of romance and revolution. His pain for the country is a result of pain for love. Providing justice in society and class conflict was his ideal. Due to his commitment to the progressive movement and the influence of the Russian Revolution, Faiz has a deep awareness of human rights and class conflict, Faiz's patriotism is also full of love. The art of Faiz is evolutionary which is evident from his "Nazam". Faiz got courage and power to communicate from love. He was part of progressive movement and therefore he raised his voice for the rights of labour and farmers. He had a desire for real freedom of the country and for which he targeted by authoritative circles. In this article his revolutionary and romance developer poem has been made the subject with reference to "Dast-e-Saba" and "Zinda'n Nama".

Keywords: Society, Justice, Theory, Rights, Patriot, Sensitive, Metaphors, Loneliness, Evolution, Revolution

کلیدی الفاظ: سماج، انصاف، نظریہ، حقوق، محب وطن، حساس، استعارات، تنہائی، ارتقاء، انقلاب۔
فیض ایک درد مند دل اور گہرا سیاسی شعور رکھنے والے شاعر تھے۔ معاشرے میں انصاف کی فراہمی اور طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ان کا آدرش تھا۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی اور انقلاب روس کے اثرات کے باعث فیض کے ہاں انسانی حقوق اور طبقاتی تضاد کا گہرا شعور ہے۔ قیام پاکستان کے بعد آزادی کے روایتی تصور اور معنوی وجود میں جو بعد تھا فیض اس کے خاتمے کے لیے عملی جدوجہد بھی کرتے رہے، پس زنداں بھی رہے۔ راولپنڈی سازش کیس میں گرفتار ہوئے اور برسوں قید رہے۔ ”فیض کی شاعری بالخصوص ان کی نظم ان کے بھرپور جذبات و احساسات ان کے افکار و تخیلات کی آئینہ دار ہے۔ ہر تخیل کے ابلاغ کے لیے پہلے ان کے سامنے نظم کا ایک خاکہ سا بھرتا ہے۔ پھر وہ اس میں جگہ جگہ رنگ بھرتے ہیں۔ اس لیے ہر تخیل کی ہیئت بھی اس تخیل کے انفرادی انداز کے مطابق مخصوص ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

ہر تخیل اپنی فنی شکل خود لے کر نمودار ہوتا ہے۔“ (۱) فیض جیسا عاشق صادق جسے محبوب کی آنکھ کے سوا کبھی نظر ہی کچھ نہیں آتا تھا، جس کی مشتاق نگاہیں محبوب کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اُس کی خوابیدہ آنکھوں میں جھانکتیں تو غم دہر اُس کے دل و دماغ سے محو ہو جاتا، اگرچہ تب بھی فیض آدم و حوا کی اولاد کے درد کو محسوس کرتے ہوئے انہیں زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپتا ہوا دیکھ رہے تھے اور حسن کی ارزانی پر گریاں تھے۔ لیکن طبع شاعر کا وطن محبوب کا رنگِ رخسار، کاجل کی لکیر اور محبوب کے ہاتھ پہ خنکا کی تحریر تھا۔ اب شاعر کی محبت ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی انسانیت اور پھر وطن کی محبت پر منتج ہوتی ہے تو شاعر کا حساس دل وطن کی محبت میں یونہی تڑپتا ہے جیسے فراقِ محبوب میں بے چین و بے قرار ہوا کرتا تھا اور حسنِ محبوب کے استعارے وطن کی محبت میں در آتے ہیں۔ ”فیض بڑا حساس شاعر ہے اور ضرورت سے زیادہ حساسیت اکثر جھلاہٹ پر منتج ہوتی ہے، مگر فیض کے ذہن میں جمالیاتی شعور اس حد تک رچا ہوا ہے کہ وہ طیش میں نہیں آتا، گف نہیں اڑاتا، گاتا اور مسکراتا ہوا وہ ذہنوں میں اتر جاتا ہے۔“ (۲) فیض کا رنگِ شاعری تہدرتِ تغیر پذیر رہا۔ نقشِ فریادی کا رنگِ خالص رومانوی ہے جہاں نوحیز جذبات سے اک جہاں آباد ہے۔ ”فیض کے کلام میں نغمہ اور فکر آپس میں یوں گھل مل گئے ہیں کہ یہ دونوں خصوصیات ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم محسوس ہونے لگتی ہیں اور پڑھنے والا سوچنے لگتا ہے کہ فیض کی فکر اتنی شاداب اور ہری بھری نہ ہوتی تو اس کے کلام میں یہ نغمگی کہاں سے آتی اور اگر فیض کی نغمگی میں اتنا رس نہ ہوتا تو اس کے کلام میں یہ فکر کی گہرائی اور گھمبیرتا کہاں سے آتی۔“ (۳)

”دستِ صبا“ میں فن کا سفر آگے بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ خاص طور سے فیض کی نظم ان کے ارتقائی فن کی تفہیم میں معاون ہے۔ ”فیض انقلابی شاعر کی حیثیت سے اپنی ایک خاص پہچان بناتے ہیں۔ فن کی خوبی تو یہی ہے کہ فنکار کی وابستگی سطحِ آب پر نہ پڑے ورنہ وہ آرٹ نہیں خالص پروپیگنڈہ بن جائے گا۔ اس کے برعکس فن کا کمال یہ ہے کہ فنکار کی وابستگی کی لہریں تہ آب گہرائیوں میں آہستہ آہستہ بہیں۔ یوں بھی فیض شاعری کے ذریعے زیر لب گفتگو کرنے کے عادی تھے اور ان کو یقین تھا کہ میرا قاری میرے اشاروں، کنایوں تک پہنچنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ زمانے کی قدریں بدل رہی تھیں۔ گل و بلبل کے دیرینہ قصوں سے مقصد حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ فیض غزل سے دامن بچا کر نظم کی طرف رجوع ہوئے۔“ (۴) جب شاعر کا حساس دل اُمٹتی ہوئی تاریکی کا مشاہدہ کرتا ہے گویا سماجی ناانصافی اور معاشرے کی حالت زار، انسان کی خستہ حالی اور انسانیت کی تذلیل، فیض کو رومانویت کے ساتھ ساتھ تلخ حقائق کا شاہد بنا دیتی ہے۔ ان کے فکر و احساس کو نئے افق سے روشناس کرواتی ہے، جس کا بہترین اظہار ان کی نظموں میں ملتا ہے۔ ”اے دل بے تاب ٹھہر“ میں فیض گرمی حالات کو خون کی گرمی سے تشبیہ دیتے ہوئے تاریکی کو غازہٗ خسارِ سحر قرار دیتے ہیں۔ انھی تاریکیوں سے اصلاحِ احوال کا کام لیتے ہوئے انہیں نورِ سحر سے ہمکنار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ فیض حالات کے جبر سے مسلسل نبرد آزار ہے اور انسانی عظمت کے نغمے لاپتے رہے۔ تاریکیوں سے نبرد آزارہ کر اجالوں کی نوید سناتے رہے۔ فیض کے ہاں ایک جہدِ مسلسل شاعرانہ اسلوب سے ہم آہنگ ہو کر ان کا مقام متعین کرتی ہے۔ فیض کی حُبِ الوطنی بھی سوزِ محبت سے معمور ہے۔ زنجیروں کو توڑ کر روشِ آزادی پر قائم رہنا ان کا آدرش بن گیا ہے۔ فیض کا پُر سوز اسلوبِ سوزِ محبت کی دین ہے۔ یہی سوز ان کی شاعری کی نظریاتی اساس کو مسالافراہم کرتا ہے۔ کہیں پر یہ رنگِ خالص شاعرانہ ہے تو کہیں نظریاتی تیج و خم میں اپنی

تاثیرِ خاص اجاگر کرتا ہے۔ ”فیض کی ادبی بصیرت کا تمام دار و مدار حسن پر قائم ہے۔ دراصل وہ ان کی رومانی شاعری ہے، جو ہر زمانے میں دل کش اور سدا بہار نظر آتی ہے۔ فیض بنیادی طور پر رومان پرور ضرور ہیں مگر اشتراکی نظریہ فکر کی وجہ سے ان کے یہاں انقلاب کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ سیاسی و سماجی سرگرمیوں کو بڑی صداقت، جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنی شاعری کے ذریعے پیش کیا ہے۔“ (۵) ”سیاسی لیڈر کے نام“ یہ بے ضمیر سیاستدان کو عوام کی قوت اور سیاستدانوں کی بے حسی کا احساس دلاتے ہی۔ ”میرے ہدم میرے دوست“ محبت کی جزئیات کی ترجمان، جدت اور کلاسیکیت کا بہترین امتزاج محبوب کی شان اور عاشق کی نارسائی کا مرقع ہے۔ آبشاروں، بہاروں اور چمن زادوں کے گیت سوزِ محبت کے غماز بن کر دل میں اتر جاتے ہیں۔ فیض کا غم آفاقی بنتا چلا جاتا ہے۔ ”اسے نظر آیا کہ محرومی و غم کا شکار وہ تنہا نہیں ہے بلکہ پورا معاشرہ، پوری زندگی ظلم کی پچی میں پس رہی ہے۔ یوں گویا خارج کی دنیا کا غم بھی اس کے ذاتی غم کا حصہ بن گیا اور احساس محرومی میں شدت کے ساتھ ساتھ وسعت بھی آگئی۔“ (۶) نظم ”صبحِ آزادی“ میں شاعر کے جذبات حب و وطنی سے معمور ہیں۔ ”صبحِ آزادی، اس دور کی نظموں ہی میں نہیں شاید فیض کے پورے کلام میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے اور سب سے زیادہ زیرِ بحث بھی رہی ہے۔ اس نظم میں پہلی دفعہ فیض کے ہاں ایک ”مایوس پکار“ سنی جاسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ پر برصغیر کی آزادی تو بہر حال متوقع تھی مگر ہمارے ہاں کے ترقی پسند حلقوں نے اس کے ساتھ جمہوری انقلاب کی امید بھی لگا رکھی تھی۔“ (۷) اگست ۱۹۴۷ء کی آزادی مکمل آزادی نہیں۔ ابھی سماج اسی طرح ناانصافی اور عدم مساوات کا شکار ہے۔ ”معاشرے میں بے اطمینانی کا احساس فیض کے ہاں برابر رہا ہے۔ پاکستان بنا تو اس نے محسوس کیا کہ انقلاب اس کی توقعات کے مطابق نہ تھا اور یہ سحر وہ سحر نہیں تھی جس کا اسے انتظار تھا۔ یہ اندازِ نظر اس کے ہم وطنوں کے لیے شاید تکلیف کا باعث بنا ہو اور خود اس کے اپنے لیے مصیبتوں کے نئے دروازے کھول گیا ہو، لیکن اس میں کام نہیں کہ اس کے فن کو اسی اندازِ نظر کی ضرورت تھی۔“ (۸) اگرچہ اس آزادی کی خاطر ہزار ہا قربانیاں دی گئیں لیکن ابھی آزادی حقیقی معنوں میں منزل سے ہمکنار نہیں ہوئی، اس لیے فیض ابھی جدوجہد کو محور رکھنا چاہتے ہیں۔ دیارِ حسن کی خواب گاہوں کا بیان نظم کے حُسن کو بڑھا کر دوچند کر دیتا ہے جہاں سے سفینہٴ دل کو ابھی غم کے سوا کچھ نہیں ملا۔ سوا بھی یہ سفر جاری رہے گا جب تک تاریکیاں نور کے ساحل سے ہمکنار نہیں ہو جاتیں۔

”ابھی گرائی شب میں کمی نہیں آئی

نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی

چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی“ (۹)

”لوح و قلم“ اولوالعزمی، ایثار، قربانی اور استقامت کے احساسات سے عبارت ہے۔ محبت کی رمزوں میں فیض مادرِ وطن کی زبوں حالی کا تذکرہ دلنشین پیرائے میں کرتے ہیں جہاں شاعر کا خونِ دل محبوب کی آرائش کو غمازہٴ خسار بن جاتا ہے۔

”باقی ہے لہو دل میں تو ہر اشک سے پیدا
رنگ لب و رخسارِ صنم کرتے رہیں گے،“^(۱۰)

”شورشِ برہم و نئے“ میں ”پہلی آواز“ میں تمام حربے ناکام ہو گئے ہیں۔ جذبے ماند پڑ گئے ہیں، زندگی دم توڑ رہی ہے یہ آواز کفن اور لحد کی مایوسی پہ منتخ ہوتی ہے۔ ”دوسری آواز“ میں ایک جوش و خروش ہے۔ فیض کو پوری کائنات اپنے فکر و عمل کے تابع نظر آتی ہے۔ اس نظم میں شعریت کا عنصر مفقود ہے۔ ”طوق و دار کا موسم“ ”یہ نظم بھی آزادی کی خواہش، طلب، چاہت اور حصول کے گرد گھومتی ہے۔ ملک کے سیاسی و معاشی حالات اور زنداں میں بہار کا خواب دونوں آپس میں گھل مل گئے ہیں۔ بہار صبحِ آزادی ہے۔ شاعر کب سے انتظار کر رہا ہے۔ مگر بہار کا موسم نہیں آیا۔“^(۱۱) اس نظم میں روایتی رنگِ تغزل ہے۔ یہ فیض کی نظم کی ایک منفرد اور نمایاں خوبی ہے۔ ان کی نظموں میں بھی تغزل، غنائیت اور شعریت کا عنصر ملتا ہے جو نظم کے حُسن کو دو چند کر دیتا ہے۔ اس نظم میں بھی ہجر و وصال اور حسن و عشق کے استعارے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ نظم فیض کے نظریہ شعر کی ترجمان ہے۔ غمِ الفت اور دردِ فراق کے باوجود انتقامت اور پُر امیدی سے معمور ہے۔ آخری شعر کا مضمون خوشی و انبساط کے آفاقی نظریے سے جا ملتا ہے جو زمانی حدود سے ماوریٰ ہے۔

”بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغِ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم،“^(۱۲)

”تمہارے حُسن کا نام“ کے پہلے بند میں فیض نے حُسنِ محبوب کی کیفیات بیان کی ہیں جبکہ دوسرا بند حُسن کی عنایات سے متعلق ہے جو عزم و استقلال عطا کرتی ہیں۔ فیض ان سے غم دوراں اور تلخی ایام کو گوارا بنانے نیز سخنِ کاری کی قوت کشید کرنے کا کام لیتے ہیں۔ فیض کی شاعری کا رنگ ایسا ہے جس نے حُسنِ محبوب اور یاد و فراق کی کیفیات سے سیاسی و نظریاتی شاعری کو پُر سوز اور دلکش بنا کر اسے لازوال کر دیا ہے۔ یہاں نظریے کی خشک روایت شاعرانہ حُسن کو پامال نہیں کر سکتی۔ ”حُسن اور انقلاب میں کوئی تضاد نہیں۔ دائمی مخالفت اور تصادم نہیں۔ اگر انقلاب حُسن بن جائے تو ذہنی الجھن سلجھ سکتی ہے۔ اندرونی رکاوٹ دور ہو سکتی ہے اور ”جوئے کم آب“ میں پانی کی فراوانی ہو سکتی ہے۔“^(۱۳) نظم ”دو عشق، میں“ ان کے رومانی طرزِ احساس سے عشق کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا جذبہ ”عشق، انتظار، وصل، جدائی اور درد و کرب جیسی مختلف کیفیتوں سے سرشار ہوتا ہے، انھوں نے محبت کے جذبے کو شدت اور خلوص کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عشق ان کی زندگی ہے اور زندگی تلخ حقیقتوں، آرزوؤں، محرومیوں اور ناکامیوں سے عبارت ہے۔ عشق ان کے تخلیقی نظام کا مرکزی محرک ہے۔“^(۱۴) اس نظم کا پہلا حصہ محبوبِ مجازی اور دوسرا حصہ وطن کی محبت سے متعلق ہے۔ پہلے حصے میں محبوب کی یاد ہجر و وصال کی کیفیات اور حسنِ محبوب کی رعنائیاں ہیں۔ جب محبوب کا انتظار رہتا تھا۔ اس کی ادائیں اور حُسن کے رنگِ تخیل میں بے رتے اور یہ تخیل پوری کائنات پر محیط ہو جاتا۔

دوسرے حصے میں سوزِ محبت، شوق کی بے قراری اور تڑپ، راہِ عشق کی صعوبتیں سبھی کچھ وطن کی محبت میں ڈھل جاتا ہے۔ اسی طرح لیلائے وطن نے بے چین کر رکھا ہے۔ ”شاعری میں عشق ایک تہذیبی قدر ہے۔ یہ ایک علامت ہے جس کے ذریعے انسانی تعلقات کی گہرائی، شدت، خلوص، معصومیت اور پاکیزگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ تعلق عورت اور مرد کا ہو، خواہ انسان اور انسان کا، خواہ انسان اور کائنات... کوئی شاعر اس علامت کو کتنی معنویت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اس کا انحصار کچھ تو شاعر کی ذاتی صلاحیت پر اور کچھ ان روایات پر ہے جو اس تہذیبی ورثے میں ملی ہیں۔“ (۱۵)

یہاں لیلائے وطن کے لیے وہی جذبہ ہے جو کچھ حُسن کی دیوی کے لیے تھا۔

”چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو

تڑپا ہے اسی طور سے دل اس کی لگن میں

ڈھونڈی ہے یونہی شوق نے آسائش منزل

رخسار کے خم میں کبھی کاکل کی شکن میں“ (۱۶)

”یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ایک تو اب فیض کے دل میں محبوب کے عشق اور وطن کے عشق کی ایک جائی کے بارے میں جو اشتباہ تھا وہ مٹ گیا۔ اب وہ اپنی دونوں محبتوں پر نازاں ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ وطن کو ایک جسم و جاں رکھنے والے محبوب ہی کی صورت میں دیکھتے ہیں اور اسی والہانہ انداز میں اس کے ”رخسار کے خم“ اور ”گیسو کی شکن“ کا ذکر کرتے ہیں۔“ (۱۷)

فیض کا فن وطن کی محبت میں جنوں کی انتہا کا سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس گلزار کے خارزاروں میں الجھتا ہے لیکن آخر میں وہ جذبہٴ عشق پر نازاں ہیں۔ عشق جو خلوص اور صداقت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور غم کی آغوش میں پروان چڑھتا ہے۔ اس جذبے نے فیض کے فن کو لازوال مقام بخشا ہے۔

”اِس عشق نہ اُس عشق پہ نام ہے مگر دل

ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت“ (۱۸)

”فیض کے لیے عشق کے دونوں محور (نظم و عشق) ناگزیر تھے۔ دونوں سے انہیں ایک سی ذہنی اور جذباتی مناسبت تھی۔ غم عشق اور غم روزگار، دونوں ان کی شخصیت کی خلقی ترکیب کا حصہ تھے۔ فیض ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اپنے اس موقف سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے کہ شاعر کو تجربوں کے انتخاب میں اپنے آپ پر اوپر سے کوئی شرط عائد نہیں کرنی چاہیے۔ ہر تجربہ چاہے عشق کا ہو یا سیاست کا، دھیان کی کسی رومانی لہر کا ہو یا سماجی انصاف سے وابستہ مسئلوں کا، شاعر کا تجربہ ہے۔“ (۱۹) فیض کا فن داخلیت سے خارجیت کا سفر کرتا ہے جہاں اکثر خارجیت بھی داخلیت میں ڈوب کر نکلتی ہے۔ فیض محبوب کے درد سے وطن اور انسانیت کے درد کو ارتقائی

فن کی صورت دیتے ہیں جو ایک کامیاب فن کار کی علامت ہے۔ انسانیت کا درد اُن کے فن کو آفاقیت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اب انھیں اپنے ہی نہیں بلکہ دنیائے عالم کے تمام مظلوم انسانوں سے محبت ہے۔ ”ایرانی طلبہ کے نام“ ایسی نظم ہے ”جس میں ترقی پسند موضوع ڈھونڈا گیا ہے اور اس میں فیض نے بڑی کاوش کی ہے اور تکنیک کی خوبیاں بہم پہنچائی ہیں۔“ (۲۰) یہ نظم سوزِ محبت سے معمور ہے۔ یہ طلبہ جدوجہد آزادی ہیں کام آئے۔ شاہ ایران نے ان کا خون بہایا، فیض کا حساس دل اندر کے شاعر پر اثر انداز ہوا تو یہ نظم تخلیق پائی۔ ”اگست ۱۹۵۲ء“ میں فیض پُر امید ہیں۔ خارزاروں کا سفر انہیں بہاروں کی امید دے رہا ہے۔ ”صبحِ آزادی اگست ۷ء“ میں فیض کو آزادی کی جدوجہد رائیگاں محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آزادی کو انقلاب کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے لیکن حالات کا جبر آزادی کے بعد بھی جاری رہا جس سے فنکار طبقہ مایوس ہو رہا تھا۔ لیکن ”اگست ۱۹۵۲ء“ میں فیض پُر امید ہیں۔ جدوجہد رنگ لارہی ہے۔

ان میں لہو ہو ہمارا کہ جان و دل

محفل میں کچھ چراغِ فروزاں ہوئے تو ہیں، (۲۱)

”فیض کو اطمینان ہے کہ اس نے اپنے لہو سے جو چراغ جلائے تھے، ان سے دوسرے چراغ جلائے جا رہے ہیں اور روشنی کا یہ سفر ظلمتوں کو ختم کر دینے والا ہے۔“ (۲۲) وطن کا جس زدہ ماحول، جبر و استحصال کا نظام، آزادی اظہار پر پہرے، معاشرے میں عدم مساوات ایسے عوامل ہیں جو ترقی پسند تحریک میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ”نثار میں تری گلیوں کے...“ انھی عوامل کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ فیض کے لہجے میں طنز ہے جب وہ اس وطن کی گلیوں پر نثار ہونے کی بات کرتے ہیں جہاں سر اٹھا کر چلنے کی رسم نہیں۔ اہل ہوس آزاد ہیں اور اہل جنوں مقید۔ فیض زنداں میں رہے ان پر راولپنڈی سازش کیس چلا۔ قید و بند میں وطن کی محبت کے گیت الاپتے رہے۔ یہاں وطن کی محبت اور محبوب کی محبت میں حد فاضل ختم ہو جاتی ہے۔ بے شک بیان سیاست کا ہو، حوالہ حسن کی ذات ٹھہرتی ہے۔ ”فیض کا فن چونکہ ان کے اسی مزاج کا آئینہ دار ہے اس لیے اس کا رنگ بہت شوخ ہے، لیکن آہنگ اتنا ہی نرم ہے۔ فیض کی رفتار میں تندی نہیں، لیکن گفتار میں بڑی تابانی ہے۔ لے دھی اور آنچ گرم ہے۔“ (۲۳) فیض زنداں میں بیٹھے وطن کے حسن کو تخیل کی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔

بجھا جو روزِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے

کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی

چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے

کہ اب سحر تیرے رخ پر بکھر گئی ہوگی، (۲۴)

لیکن اس ظلم و ستم کو وہ زمانے کی روایت قرار دیتے ہیں جہاں ہمیشہ سچ کا استحصال ہوتا رہا۔ یہ صعوبتیں ان کے عزم و استقلال کو مزید مستحکم کر

نگین۔

جو تجھ سے عہدِ وفا ستوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں، (۲۵)

”شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں“ ایک حساس دل کی آواز ہے جس میں شعریت کا عنصر کم اور تلخ حقائق کی عکاسی زیادہ ہے۔ شاعر معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ اس کی آنکھ وہ دیکھتی ہے جہاں عام نظر کی رسائی نہیں۔ جب سماجی ناانصافی انسانیت سے ٹکراتی ہے تو شاعر کے احساس کا شیشہ چور چور ہو جاتا ہے۔ مذکورہ نظم جذباتی شکست و ریخت سے شروع ہو کر سماجی انصاف کی جدوجہد کی دعوت پر ختم ہوتی ہے۔ اس دوران میں شاعر کے احساس کی نزاکت بتدریج ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ہر قدم پر زخم کھاتی ہے لیکن احساس شکست کے زخم کا مسیحا کوئی نہیں بنتا۔ خواہ یہ جذباتی مرحلہ ہو یا عزتِ نفس کا مسئلہ، طبقاتی کشمکش ہو یا مفادات کی دوڑ، باضمیر فرد ہمیشہ احساس کی کرچیاں سمیٹتا رہے گا لیکن اسی ناکامی کے احساس سے انقلابی سوچ جنم لے گی اور وہ برائی کے خلاف ڈٹ جائے گا۔ یہی اس نظم کا انجام ہے۔ ”زنداں کی ایک شام“ فیض کی شاہکار نظم ہے جس میں مظاہرِ فطرتِ احساس کی رو کے ساتھ چلتے ہوئے منظر کشی کی ایسی مثال قائم کرتے ہیں، جس کی نظیر فیض کی کسی دوسری نظم میں نہیں ملتی دھیرے دھیرے صحنِ زنداں میں رات کا اتنا، اشجارِ زنداں کی خامشی، چاندنی کا منظر، دردِ فراق میں ڈوبے ہوئے سائے ظلم کی ظلمت اور چاند کا نور، یہ تمام مناظرِ زنداں کے پس منظر کی اداسی کے ساتھ ساتھ حسنِ فطرت اور فتحِ حسن کو لازوال تاثیر سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس طرح قید و بند کی تلخیاں ہمیشگی اختیار کرنے کی بجائے روشنی کی امید بن جاتی ہیں۔ ”زنداں کی ایک صبح“ گویا صبح نوید ہے لیکن اس میں وہ حسن اور تاثیر نہیں جو نظم ”زنداں کی ایک شام“ میں ہے۔ زنداں کی صبح فراقِ یار کے خیال سے نکال کر رات کو وداع کرتی ہے تو پہرے داروں کا شور و غوغا اور قید خانے کے معمولات شاعر کی طبع نازک پر گراں تو گزرتے ہیں لیکن عروسِ خیال کو بیدار کر جاتے ہیں۔ ”یاد“ خالص رومانوی نظم ہے رنگِ تغزل سے بھرپور ”دستِ صبا“ کی کچھ نظمیں ”نقشِ فریادی“ کے رنگ کی ہیں۔ ”یاد“ کا شمار بھی انھی میں ہوتا ہے۔ محبوب کا فراق، یاد کے سائے، حسن کے سراپ، محبت کی خیالی ادائیں اور شیریں فضائیں، امید و وصل میں ڈوبے ہوئے جذبات، یہی اس نظم کا خاصہ ہے۔ ”یاد“ وسعتِ فراق کی حامل نظم ہے۔ ”زنداں نامہ“ کی پہلی نظم ”حبیبِ عنبر دست“ اجنبی خاتون سے خوشبو کا تحفہ وصول ہونے پہ لکھی گئی ہے جو محبت کی وسعت اور آفاقیت پر مبنی ہے۔ یہاں محبت ایک خیر کی قدر کے جذبے کے طور پر نظر آتی ہے۔ ایک بے لوث جذبہ جو غمزدہ دلوں کو خوشبو بن کر مہر کاٹا اور توانائی بخشتا ہے۔ فیض کا آدرش انسانی محبت اور ان کا مسلک آزادی ہے۔ جہدِ آزادی جب قید سے ہمکنار کرتی ہے وہ قید جو دل گرفتگی کا سماں ہے جہاں یاس و حرمان نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں وہاں کسی اجنبی کی خوشبوئے محبت دلوں کو زندہ کرنے اور گرمانے کے لیے کافی ہے۔ یہ خوشبو ایسا سندیہ ہے جو قفس کے پہرے توڑ کر وفا کی لاج رکھتا ہے اور محبت کو ایک ایسی قدر کے طور پر پیش کرتا ہے کہ جس کی بنیاد سراسر خیر کے جذبے پر مبنی ہے۔ یہ خوشبو کا تحفہ خیر سگالی کے سوا کچھ نہیں اور

اسی باعث سب کچھ ہے۔ ”ملاقات“، نظم فیض کے فلسفہ غم کی نماز ہے۔

یہ رات اس درد کا شجر ہے (۲۷)

”یہاں استعارہ در استعارہ اور پیکر کی کار فرمائی قابلِ داد ہے۔ پہلے تو رات کو شجر کہا گیا پھر شجر کو درد کہا۔ یعنی جس طرح شجر نامیاتی وجود رکھتا ہے۔ اسی طرح درد بھی بڑھتے بڑھتے تمام وجود پر چھا گیا ہے اور اب یہی داد کا شجر اس رات کی صورت میں ہر طرف طاری ہے۔ یہاں لفظ ”یہ“ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس رات کا ذکر ہو رہا ہے وہ یہی رات ہے جس نے متکلم اور مخاطب کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔“ (۲۷) یہ اس رات کی ملاقات ہے جو عظیم ہدف کو پانے کی جستجو میں ملنے والے درد و غم کی رات ہے۔ وہ ہدف رنج و الم سے ماوریٰ ہے جسے ترازو میں تولانا نہیں جاسکتا۔ مشعل بکف ستاروں کا شجر کی شاخوں میں کھونا معنی خیز ہے۔

عظیم تر ہے کہ اس کی شاخوں

میں لاکھ مشعل بکف ستاروں

کے کارواں، گھر کے کھو گئے ہیں

ہزار مہتاب، اس کے سائے

میں اپنا سب نور، رو گئے ہیں،“ (۲۸)

”مشعل بکف ستارے کا پیکر اس قدر دلکش ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح مہتاب کا اس شجر کے سائے میں اپنا سارا نور رو جانا بھی گہری معنویت سے پُر ہے۔“ (۲۹) درد کے اس راستے پر چلتے ہوئے جن جزاؤں کا سامنا ہوا ان کے زرد پتے عارضِ محبوب سے الجھ کر گلنار ہوئے جا رہے ہیں۔ ”درد کے شجر سے کچھ لمحوں کا زرد پتوں کی صورت میں گرنا اور مخاطب کے گیسوؤں میں الجھ کر گلنار ہو جانا ایسا استعاراتی اظہار ہے جس سے معنی کے بیک وقت کئی پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔“ (۳۰) یعنی فیض کا آدرش منزل کی لگن میں خارزاروں کو گلزار بنانا ہے۔ اسی شبِ درد میں منزل کا نور جاگزیں ہوتا ہے اور یہ ملاقات آفاقی صداقت پر منتج ہوتی ہے۔

”یہ غم جو اس رات نے دیا ہے

یہ غم سحر کا یقین بنا ہے

یقین جو غم سے کریم تر ہے

سحر جو شب سے عظیم تر ہے،“ (۳۱)

”اس طرح دو محبت کرنے والوں کی ملاقات بڑی لطافت اور بلاغت سے انفرادی وصال کی بجائے اجتماعی انقلاب پر ختم ہوئی ہے۔ شاعر نے

بڑے نازک اور دقیق انداز میں ایک معمولی واقعے کو آہستہ آہستہ ترقی دے کر کائناتی حقیقت بنا دیا ہے۔“ (۳۲) ”اے روشنیوں کے شہر“ اپریل ۱۹۵۴ء میں لکھی گئی نظم ہے۔ جب ملک کا دار الحکومت کراچی تھا۔ ترقی پسند تحریک کے نظریات کی بدولت اور اپنے فطری سوز و وطن کے سبب فیض ملکی صورتِ حال سے پریشان اور نظام بدلنے کے خواہش مند تھے۔ یہ نظم گہری جذباتی وابستگی کے تجربے سے گزر کر لکھی گئی ہے۔ خود نظم کی فضا اس پر دلیل ہے کہ دھرتی کے متعلق شاعر کے احساسات جذباتی تجربے سے گزرنے کے بعد الفاظ میں ڈھل گئے ہیں۔ روشنیوں کے شہر میں دوپہر کا سناٹا، سیاسی افق کا کھراؤد ہونا اور عوامی سطح پر شہر میں روشنیوں کی آب و تاب، روشنیوں کا بے سمت ہونا اور اہل شوق کا پسِ زنداں ہونا یہ تمام کیفیات گہری معنویت کی حامل ہیں اور فیض کے گہرے فکر و احساس اور نظریاتی وابستگی کی آئینہ دار بھی۔ لیلائے وطن سے وابستہ فیض کے ارمان موت و حیات کی کشمکش میں ہیں۔ نظم کا اختتام فکری اڑان کے ساتھ ساتھ فکری مہمیز کا پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔

شب خون سے منہ پھر نہ جائے ارمانوں کی رو
خیر ہو تیری لیلاؤں کی، ان سب سے کہہ دو
آج کی شب جب دیئے جلائیں اونچی رکھیں تو (۳۳)

”ہم جو تار یک راہوں میں مارے گئے“ اگرچہ انتہا اور جو لیس روز نبرگ کے خطوط سے متاثر ہو کر لکھی گئی نظم ہے لیکن بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے فیض کا فکر و احساس ارتقائی منازل طے کرتا ہوا خام سے پختگی کا سفر طے کر چکا ہے۔ خطوط نے صرف مہمیز کا کام کیا ہے۔ جذبہ اظہار کی راہ پانے کو بے قرار ہے۔ نظم انتہائی بلند پایہ نیز رومان اور انقلاب کا سنگم ہے۔ اس حوالے سے یہ فیض کی شاہکار نظم ہے جو تاثیر میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ زلف و لب و رخسار کے استعاروں میں سوزِ محبت اور نارسائی شوق کی کیفیات، عشاق کی اعلیٰ ظرفی، وفا شعار اور صدق و خلوص کے پس منظر میں لازوال اظہار پاگئی ہیں۔ بین السطور عشق کا آفاقی جذبہ فکر کی منزل سے ہمکنار ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ”یہاں ”ہو نمٹوں کے پھولوں“ ”ہاتھوں کی شمعوں“ ”زلفوں کی مستی“ کا ذکر ہے۔ گویا ایک جیتے جاگتے محبوب کی زندہ تصویر پیش کی گئی ہے اور اس کے حضور جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کے دلوں میں غم کی قندیل ہے اور لبوں پر حرفِ غزل، نفسِ مضمون آج کی دنیا کی ایک تلخ حقیقت سے متعلق ہے مگر زبان و بیان میں غزل کی روایت بول رہی ہے۔ یہی فیض کی شعری ٹکنیک کا امتیازی وصف ہے اور یہی ان کی عام مقبولیت کا راز“ (۳۴) شہید تمنا اگرچہ تاریکیوں میں مارے گئے لیکن آنے والے عشاق کے لیے عزم و استقلال کی مثال بن کر شانِ دلبری کو ہمہ گیریت عطا کر گئے۔ فیض کی غزل کا ایک شعر اسی مضمون میں ہے۔

جس دھج سے کوئی مقلت میں گیا وہ شانِ سلامت رہتی ہے
یہ جان تو اتنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں (۳۵)

نظم ”دریچہ“ رسم و رواج کی صلیبوں پر انسانیت کو قربان کرنے کا مرثیہ ہے۔ درتپے میں گڑھی سماجی رسوم کی صلیبیں نزاکت و لطافت کا خون کرتی ہیں۔ دریچہ جو فطری منظر کشی کا مقام ہوتا ہے۔ سماجی ناانصافی میں سسکتی انسانیت کے دلدوز نظارے کا مرکز بن گیا ہے۔ فیض کی جنگ وقت کے مقتدر طبقے سے ہے۔ شاعر خود جسمانی طور پر زنداں میں بند ہے لیکن اس کا تخیل ایک روزن بن گیا ہے، جس سے اس جنگ کے تمام خوبی مناظر اس کی نگاہ تصور کے سامنے گھوم رہے ہیں جو باہر کی دنیا میں اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان برپا ہے اور جس میں اس کے دوست، انسانیت کے مسیحا اور ان کے ساتھ حیات کی تمام رحمتیں فنی الوقت سولی پر لٹکائی جا رہی ہیں۔ یہ ساری تفصیلات صرف دو علامتوں ”دریچہ“ اور ”صلیب“ سے واضح ہو جاتی ہیں۔“ (۳۱) ”در آئے گا دے پاؤں...“ میں قید کی سختی اور تنہائی کے پس منظر میں ایک حساس دل، پُر عزم انسان کے احساسات کی ترجمانی ہے۔ یہ ایسی نظم ہے جس میں زنداں کا درد اور انقلاب کی آرزو ہے۔ قید تنہائی کس قدر جان لیوا ہے۔ اس تنہائی کا مداوا ”درد“ کرتا ہے۔ یعنی یہ ”علاج درد میں بھی درد کی لذت“ پر مرنے کا ہنر ہے۔ درد کا ایک شعلہ قید خانے کے خدوخال کو روشن کرتا ہے تو فیض ان تلخیوں کو بلانے کے لیے زلفِ محبوب کے خیال میں کھوجتے ہیں مگر یہ درد جو تنہائی کی غمخواری کر رہا ہے۔ اس کی رفاقت لمحہ بھر کی ہے پھر وہی زندان کی وحشت ہوگی اور قید تنہائی، فیض احمد فیض نظام بدلنے کے خواہاں ہیں جو اتنا آسان نہیں، بڑے جان جو کھوں کا کام ہے۔ ایک تنہا سچا انسان کتنے ہی جھوٹے مفاد پرستوں کے ٹکرائے گا جو موجودہ نظام کے خیر خواہ ہیں۔ جس کو بدلنا ان کے مفادات کا خاتمہ ہے گویا۔ اس لیے یہ ایک جنگ کی سی کیفیت ہے۔ درد کا سوز جس کا متحمل نہیں بلکہ اس کے لیے غمخیز و غضب کی ضرورت ہے جو جھوٹ پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے۔ فیض ”طیش کی آتش جوار“ سے توانائی لے کر اس جنگ میں ڈٹے ہوئے ہیں اور صبح نو کے طلوع کے منتظر ہیں۔ ”Africa come back“ ایسی نظم ہے جس میں فیض کی انسان دوستی آفاقی حدوں کو چھو رہی ہے۔ وہ دنیا بھر کے مظلومین کے لیے ڈھارس بن رہے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کر کے ہمت بڑھاتے ہیں۔ ”فیض کا یہ سیاسی شعور قومی حدوں میں محصور نہیں، آفاقی ہے۔ وہ دور دیسوں کے واقعات سے ویسے ہی متاثر ہوتے ہیں جیسے اپنے وطن کے حالات سے۔“ (۳۲) ”یہ فصل امیدوں کی ہمد“ ایسی نظم ہے جو ایک جہدِ مسلسل اور سعیِ لاحاصل سے عبارت ہے لیکن فیض کا عزمِ صمیم ہمت نہیں ہارتا وہ ہر فصل پر محنت کرتے ہیں لیکن اس کا پھل نہ پا کر اگلی فصل کے لیے خود کو تیار کرتے ہیں۔ یہ سفر کامیابی تک جاری رکھنے کا عزم ہے۔ ”بنیاد کچھ تو ہو“ ایس نظم ہے جس میں فیض کا انقلابی نظریہ واضح ہے۔ وہ قید خانہ کی خاموشی پر سراپا احتجاج ہیں اور انصاف کے طلب گار۔ فیض اپنے ہدف کی تکمیل میں بے خوف ہیں گویا ایسا مجاہد جو سر پر کفن باندھ کر نکلا ہے وہ استحصالی طبقے کی شوکت و سطوت کو خاطر میں نہیں لاتا اسے سچ بولنا ہے جو عدل و انصاف کی بنیاد بنے گا اور مقتدر طبقے کے مکروہ چہرے سے نقاب الٹ دے گا۔ ”کوئی عاشق کسی محبوبہ سے!“ اگرچہ زنداں نامہ کا مجموعی تاثر انقلابی شاعری ہے لیکن رومانیت فیض کا خاصہ ہے جس نے ان کی شخصیت اور شاعری میں رنگ بھر دیا ہے۔ یہ نظم گویا عشق کا لامتناہی راستہ ہے جو عاشق کو منزل کے لیے پُر امید رکھتی ہے۔ فیض عشق کے آفاقی تصور سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں جہاں من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے لیکن یہاں ان کی بصیرت ساتھ نہیں دیتی تو وہ کم از کم محبت کے راستے کو ہی غنیمت جانتے ہیں جو انھیں توانائی فراہم کرتا ہے اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کا عزم دیتا ہے۔ ”اگست ۵۵ء“ میں فیض وطن

کے حالات سے دل برداشتہ ہیں جہاں آزادی کے بعد بھی عدل و انصاف اور مساوات میسر نہیں۔ اہل حق پس زنداں ہیں اور لٹیروں سے آزاد ہیں۔ ان حالات میں فیض اعجاز خورشید کے آرزو مند ہیں جو تمام تاریکیوں پر غالب آجائے۔ فیض کے فنی ارتقا کی تفہیم ان کے نظمیہ کلام سے ہی ممکن ہے۔ ”فیض کے کلام میں زندگی کا سمندر لہریں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس سمندر میں غربت و فلاکت کے عفریت بھی ہیں اور ظلم کی طاغوتی قوتیں بھی حسن و جمال کی رعنائیاں بھی ہیں اور عشق و محبت کی جنوں سامانیاں بھی غلامی و محکومی کی زنجیریں بھی ہیں اور آزادی و حریت کی شمشیریں بھی لیکن مجموعی حیثیت سے زندگی کو مسلسل کرب و اضطراب میں مبتلا کر کے، ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر، آزادی اور خوشحالی کی نعمتوں سے محرم کر دیا گیا ہے۔ فیض اس درد انگیز حیات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور فن پر قابو ہونے کی وجہ سے، وہ بڑی خوبی کے ساتھ اس کو دوسروں کو دکھاتے ہیں۔ وہ مایوس نہیں ہوتے ہیں کیسی ہی مشکلیں اور رکاوٹیں ہوں۔ وہ ہمت نہیں ہارتے۔“ (۳۸) یوں فیض کی نظم نگاری ان کے تخیل، جذبے اور فکر کی بھرپور عکاس بن کر ان کے فن کو لازوال بناتی ہے۔ ”حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اردو شاعری کے جس دور میں زندہ ہیں، وہ فیض کا دور ہے۔ اس کے احساسِ جمال اور حسنِ تناسل کا دور ہے۔ یہ مستقبل سے باہم پیوست ہونے کا دور ہے اور وہ فن کار اور معاشرے جو مستقبل کے ساتھ مذاق نہیں کرتے۔ آنے والی نسلوں کے لیے زندگی کا حوصلہ اور رومانس ودیعت کر جاتے ہیں۔“ (۳۹)

حوالہ جات

- ۱۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر۔ فیض کی شاعری، مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ترتیب، تہذیب و انتخاب، ڈاکٹر طاہر تونسوی۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ء۔ ص ۹۳
- ۲۔ احمد ندیم قاسمی۔ فیض کا فن، مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ)۔ ایضاً۔ ص ۷۴
- ۳۔ احمد ندیم قاسمی۔ فیض کا فن، مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ)۔ ایضاً۔ ص ۷۴
- ۴۔ فرح تبسم، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض، مشمولہ، فیض احمد فیض (فیض شناسی کے جدید زاویے) مرتب؛ ڈاکٹر شفیق احمد اشرفی، لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۵ء۔ ص ۱۸۷
- ۵۔ رضیہ پروین۔ فیض احمد فیض: رومان و انقلاب کا حسین امتزاج، مشمولہ، فیض احمد فیض (فیض شناسی کے جدید زاویے) ایضاً۔ ص ۱۷۵
- ۶۔ عرش صدیقی، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں رومانی عناصر۔ مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۱۳۵
- ۷۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض شاعر اور شخص۔ کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۹ء۔ ص ۲۲
- ۸۔ عرش صدیقی، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں رومانی عناصر۔ مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۱۳۵
- ۹۔ فیض احمد فیض۔ نسخہ ہائے وفا۔ لاہور: مکتبہ کارواں، س۔ ن۔ ص ۲۰۔ ۱۱۶
- ۱۰۔ ایضاً۔ ص ۲۲/۱۲۰
- ۱۱۔ صفی صدف۔ فیض کا عمرانی فلسفہ (تحقیق و تنقید)۔ لاہور: ملٹی میڈیا فیئرز، ۲۰۰۵ء۔ ص ۶۳۔ ۶۵
- ۱۲۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۲۸/۳۲
- ۱۳۔ کلیم الدین احمد۔ فیض مشمولہ فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۷۰
- ۱۴۔ فرح تبسم، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض مشمولہ فیض احمد فیض (فیض شناسی کے جدید زاویے) ایضاً۔ ص ۱۸۶

- ۱۵۔ یوسف حسن، پروفیسر، ڈاکٹر و شاعر، فیض احمد فیض (فیض صدی: منتخب مضامین)، راولپنڈی: مقتدرہ قومی زبان ۲۰۱۰ء۔ ص ۱۹۳
- ۱۶۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۴۵/۴۹
- ۱۷۔ فیض احمد فیض شخص اور شاعر۔ ایضاً۔ ص ۵۳
- ۱۸۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۴۶/۵۰
- ۱۹۔ فیض صدی: منتخب مضامین۔ ایضاً۔ ص ۳۵۶
- ۲۰۔ کلیم الدین احمد۔ فیض مشمولہ فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۶۷
- ۲۱۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۵۹/۶۳
- ۲۲۔ صغریٰ صدف۔ فیض کا عمرانی فلسفہ۔ ایضاً۔ ص ۶۲
- ۲۳۔ عبدالغنی، ڈاکٹر۔ فیض کی شاعری مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ)، ایضاً۔ ص ۸۷
- ۲۴۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۶۲/۶۶
- ۲۵۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۱۶۳/۶۷
- ۲۶۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۲۴۴/۵۴
- ۲۷۔ احمد محفوظ، ڈاکٹر۔ فیض کی نظم ”ملاقات“ ایک تجزیہ مشمولہ، فیض احمد فیض (فیض شناسی کے جدید زاویے)۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶
- ۲۸۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۲۴۴/۵۴
- ۲۹۔ فیض احمد فیض (فیض شناسی کے جدید زاویے) ایضاً۔ ص ۱۰۷
- ۳۰۔ ایضاً۔ ص ۱۰۸
- ۳۱۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۲۴۷/۵۷
- ۳۲۔ عبدالغنی، ڈاکٹر۔ فیض کی شاعری۔ مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۹۹
- ۳۳۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۲۵۹/۶۹
- ۳۴۔ فیض احمد فیض شاعر اور شخص۔ ایضاً۔ ص ۵۷
- ۳۵۔ نسخہ ہائے وفا۔ ایضاً۔ ص ۲۵۵/۵۶
- ۳۶۔ عبدالغنی، ڈاکٹر۔ فیض کی شاعری مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ)، ایضاً۔ ص ۹۵
- ۳۷۔ ایضاً۔ ص ۸۵
- ۳۸۔ شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر۔ حریت و انقلاب کا علمبردار۔ مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۱۶۳
- ۳۹۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر۔ فیض احمد فیض: شاعر یا جادوگر۔ مشمولہ، فیض احمد فیض (تنقیدی مطالعہ) ایضاً۔ ص ۱۸۰

References:

1. Abdul Mughani, Dr, Faiz ki shairi, mushmola, Faiz Ahmad Faiz (Tanqeedi Mutalia) tarteeb o Tehzeeb, Dr Tahir Tonsvi, Lahore: Alqamer, interprises, 2011, P 93
2. Ahmad Nadeem Qasmi, Faiz ka Fan, mushmola, Faiz Ahmad Faiz, (Tannqeedi Mutala) ibid, P 74
3. Ibid

4. Farrah Tabassam,,Dr, Faiz Ahmad Faiz, Mushmola, Faiz Ahmad Faiz(Faiz shanasi ky jaded Zawiy) muratab,dr, shafique Ahmad Ashrafi, lahore: dar ul shaoor, 2015, P 187
5. Razia Parveen, Faiz Ahmad Faiz: rooman o inqlaab ka Husseen imtazaj, mushmola, Faiz hmad Faiz (Faiz shanasi ky jaded zawiy) ibid,P 175
6. Arish Sadiqqi,dr,Faiz Ahmad Faiz ki shairi maim romanvi inasir, Faiz Ahmad Faiz,(Tannqeedi Mutala) ibid,P 145
7. Aftab Ahmad,dr, Faiz ahmad Faiz shair aur shakh ,Karachi, muktaba denial, ,1999, 42
8. Arish Sadiqqi,dr,Faiz Ahmad Faiz ki shairi maim romanvi inasir, Faiz Ahmad Faiz,(Tannqeedi Mutala) ibid,P 135
9. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa, Lahore: muktaba Karwan, s.n. P 116-20
10. Ibid P24/120
11. Sughra Sadaf, Faiz ka ummranni Falsfa, (Teqeeq o Tanqeed) Lahore: Multi Midia Affairs, 2005, P 64-65
12. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 32/128
13. Kaleem ul din Ahmad, Faiz Ahmad Faiz,(Tannqeedi Mutala) ibid,P 70
14. Farrah Tabassam,,Dr, Faiz Ahmad Faiz, Mushmola, Faiz Ahmad Faiz(Faiz shanasi ky jaded Zawiy) muratab,dr, shafique Ahmad Ashrafi, P 186
15. Yousaf Hassan, professor, dr rawash Nadeem(Muratbeen) Faiz Ahmad Faiz,(Faiz Sadi: Muntakhib Mazameen) Rawalpindi: Muqtadra, qommi Zuban,2010, P 193
16. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 49/145
17. Aftab Ahmad,dr, Faiz ahmad Faiz shair aur shakh ibid,p S 53
18. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 50/145
19. Faiz Ahmad Faiz,(Faiz Sadi: Muntakhib Mazameen), P 356
20. Kaleem ul din Ahmad, Faiz Ahmad Faiz,(Tannqeedi Mutala) ibid,P 67
21. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 63/159
22. Sughra Sadaf, Faiz ka ummranni Falsfa, (Teqeeq o Tanqeed) P 62
23. Abdul Mughani,Dr, Faiz ki shairi,mushmola, Faiz Ahmad Faiz (Tanqeedi Mutalia) tarteeb oTehzeeb, P 87
24. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 66/162
25. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 67/163
26. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 56/266
27. Ahmad Mehfooz, dr, Faiz ki Nazam Mulaqat, aak tejzi, mushmola, Faiz Ahmad Faiz ,(Faiz shanasi ky jaded zawiya,) ibid,p 106
28. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 56/266
29. Faiz Ahmad Faiz ,(Faiz shanasi ky jaded zawiya,) ibid,p 107
30. Ibid p,108
31. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 57/267
32. Abdul Mughani,Dr, Faiz ki shairi,mushmola, Faiz Ahmad Faiz (Tanqeedi Mutalia) tarteeb oTehzeeb, P 99
33. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 69/259
34. Aftab Ahmad,dr, Faiz ahmad Faiz shair aur shakh ibid,p 57
35. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha hai wafa,P 56/255
36. Abdul Mughani,Dr, Faiz ki shairi,mushmola, Faiz Ahmad Faiz (Tanqeedi Mutalia) tarteeb oTehzeeb, P 95
37. Ibid,P 85
38. Shujait Ali Sundalwi,dr, Huriat o inqlab k ilam bardar, mushmola, Faiz Ahmad Faiz(Tanqeedi Mutalha) ibid,P 163
39. Muhammad Ali Sadique, dr, Faiz Ahmad Faiz: shair aur jadoger, ibid, P 180